



اجتہاد اور عصر حاضر

محمد صغیر حسن معصومی



آج کل اس تیز رفتار زمانے میں جبکہ علوم جدیدہ کی کثرت کے ساتھ نت نئی سائنسی ایجادات وجود میں آرہی ہیں۔ اجتہاد کی ضرورت اور اس کے طریق کار سے متعلق سوچنا لابدی ہو گیا ہے تاکہ کم سے کم مدت میں زیارہ سے زیادہ کام انجام کو پہنچائے جائیں۔ ایسے وقت میں جبکہ نئے طریق کار کا کھوج لگانا اور نئی راہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ انسان اپنی سہل انگاری اور ذمہ داری کو دوسروں پر ڈالنے کی عادت کے زیر اثر ہر اس گروہ کو مطعون کرنے لگتا ہے جو میدان عمل میں راہنمائی کرتے اور لوگوں کو ہشیار کرتے جاتے ہیں کہ علمی و عملی سرگرمیاں یہ قاعدہ نہیں بلکہ باقاعدہ ہونی چاہیں۔ حالانکہ ارباب بصیرت پر اس طبقہ کی اہمیت ظاہر ہے۔ اگرچہ کوئاں بین ہمیشہ ایسے افراد کو منقصب و تنگ نظر قرار دیتے اور انہیں سخت گیری و ناقابت اندیشی کا مورد الزام بناتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشر کی ترقی و ہبہودی انہیں افراد کی سرگرمیوں اور تنبیہوں کی رہیں منت ہوتی ہے اور اگر میدان عمل میں یہ صراحت ہوتے تو میدان کا نقشہ ہی دگرگوں ہوتا۔ اور جیائے تنظیم و باقاعدگی کے بدنظمی و بد عنوانی اور لازماً نیت کا درور ہوتا۔

ایک طرف یہ دعویٰ کرنا کہ اسلامی مقاصد کو اپنا نامعین ایمان ہے۔ قرآن پاک و حدیث متذکر کو سامنے رکھنا ناگزیر ہے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پر اہونادینی فرضیہ ہے۔ ساتھ ہی یہ شور مچانا کے علماء و فقہاء نے مذہب کو حنفی احکامات تک محدود کر دیا ہے۔ دین کو حلال و حرام کے چکر میں محبوس کر رکھا ہے عجیب ہی نہیں بلکہ انتہائی فریب اور سراسر کذب و افتراء ہے اور ایسا کہنے والے درحقیقت اسلام کے دوست نہیں بلکہ بدترین و سخن ہیں جو خیر خواہی کے پردے میں دینی تحریک کو اپنا دین و ایمان بنائے

ہوتے ہیں، اور جو عالم اسلام میں فساد و خلل کے سوا کچھ اور دیکھنا نہیں چاہتے

ہمارے عہد کے ایسے ترقی پسند مصلحین کبھی تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ آئیے
اجتہاد کا دروازہ کھولیں۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ کسی زمانے میں بھی کسی فقیہ یا مجتہد نے یہ نہیں لکھا کہ اجتہاد
کا دروازہ بند ہو گیا۔ نہ کوئی کتاب کبھی یہ بتاتی ہے کہ اب قرآن و حدیث کی تعلیم کو سمجھنے میں عور و خوض نہیں کیا
جا سکتا، بلکہ امّہ مجتہدین نے ہمیشہ یہ بڑایت کی کہ احکام خداوندی کے سمجھنے کے لئے قرآن و حدیث پر زیادہ
سے زیادہ نظر رکھنی ضروری ہے، اور جس قدر زیادہ عور و خوض کریں گے، اسی قدر علم میں اضافہ ہو گا۔ کبھی
یہ اصلاح کے دعوے دار نعرہ لگاتے ہیں کہ علماء نے ہمیشہ تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے اور یہ صوفیاء کرام
ہی تھے جن کی مساعی سے دین اسلام کی اشاعت ہوئی اور لوگ جو ق در جو ق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے
ان کی رواداری، ترمی و مہدردی نے دوسرے مذاہب کے عوام کو اپناؤ کر دیدہ اور اسلام کا پروپیا۔ حالانکہ
یہ صوفیاء کرام پابندِ شر لیعت علماء ہی تھے جو دین کے عملی منورے پیش کرتے تھے۔

کبھی ان مصلحین کا دعویٰ ہوتا ہے کہ اسلام کی سچی خدمت کرنے والے علماء بن تیمیہ، شیخ محمد بن عبد الوہاب
نجدی، علامہ شوکانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ احمد بریلوی اور شیخ مہدی سودانی اور شیخ سنوسی تھے
جنہوں نے صدیوں کی خوابیدہ امت کو اپنی دینی بصیرت اور اصلاحی تحریکوں سے جبھوٹ جبھوٹ کر جگایا۔
اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا، لوگوں کو فقیہا کی دوراز کار فقہی موسکاںیوں اور فرقہ وارانہ تنصیب و تفہیفت
سے نجات دلائی۔ پھر دوسری ہی سالیں میں ان کی عملی سرگرمیوں کو دیکھ کر یہ مصلحین کہنے لگ جاتے ہیں کہ
انھوں نے تحریک توڑی اپنی چلائی اور صحیح طور پر قرآن و حدیث پر حلقتی تلقین بھی کرتے رہے، مگر
جلد ہی چند اعمال و فرائض کی ادائیگی میں بھنس کر اپنے اردوگرد کے اڑات میں گم ہو گئے۔ کبھی یہ شور مچاتے
ہیں کہ تم مسلمان اصل مقصد سے ہر طور کر رسم درواج، چند عبادات اور ظاہری کارگزاریوں کو اصل دین
سمجھ کر قفر مذلت میں جا پڑے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہم دوسری ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ ذلیل و خوار
ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ حضرات بزرگ خواشی دینی تنزل کا تنتہ اسباب، تقدامت پسند علماء کو تباہتے ہیں جن کے
وعظ و پند سے مسلم عوام متاثر و مسحور ہیں اور جو مولویوں کے بتائے ہوئے دین کو اصل اسلام سمجھتے ہیں،
اس لئے اپنی عقل سے کام نہیں لیتے اور نئے علوم سے فائدہ نہیں اٹھاتے، سائنس کے شعبوں سے بے پہرا
رہ گئے اور علمی میدان میں دوسری قومیں ان سے سبقت لے گئیں مسلمان ہیں کہ علماء کے بتائے ہوئے

نماز روزے کے طریق عبادت میں پھنسنے ہوئے ہیں اور ظاہری دنیاوی امور سے بے بہرہ رہ گئے ہیں۔ الیسی حالت میں دنیا میں مسلمانوں کو نکبت و خواری، ذلت و رسائی حاصل نہ ہو تو تعجب کی کون سی بات ہے؟ غرض آج کل کے جدت پسند مصلحین قوم کبھی تو علماء کو کوگردن زدنی فرار دیتے ہیں۔ فقہی کازماموں کو بے کار و بچر پوچ تباہتے ہیں، کبھی خود اجتہاد کا دروازہ اس طرح توڑنے کا دعوے کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کو جس طرح یہ سمجھیں وہی صحیح ہیں اور چوڑہ سو برس سے جو مسلمان سمجھتے آئے ہیں وہ باعث ننگ و عار ہیں ساختہ ہی یہ دعویٰ بھی ہے کہ چھ سات صدیوں سے اجتہاد بالکل بند ہے اور آج کے مسلمان تقلید اور وہ بھی کوری تقلید کے بندھن میں جبکٹے ہوئے ہیں۔

جب ہم مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ پر نظرِ الٹتے ہیں توجیت ہوئی ہے کہ کہاں کن مصلحین محقق اپنی ذاتی اغراض کی خاطر کس طرح حقیقت کا انکار کر کے من گھرط یا توں کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ ”وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ يَعْسِنُونَ صنعاً“ (دریاں حالیکے یہ لوگ مگان کرتے ہیں کہ میہی لوگ نمایاں کامِ انجام دے رہے ہیں) قرآن پاک کی تعلیمات پر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے مثال بتا دی کہ قرآنی احکام پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے۔ کسی قرآنی حکم کی خلاف ورزی آپ کی ذات با برکات کی موجودگی میں رونما نہیں ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا قیام اور خلیفہ کا انتخاب اجتہاد کا نتیجہ تھا، اور عین قرآن و سنت کے مطابق۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی زندگی میں مدینہ منورہ چھوڑتے وقت مختلف صحابیوں کو اپنی جگہ امیر زکوٰۃ کر باہر تشریعت لے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے مالعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا اور تلوار اٹھائی۔ آپ کے اس اجتہاد میں صحابہ کرام اول اول شرکیں نہیں تھے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے جیسا کہ مفتی بیگ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر اپنی رائے پر ڈال رہے، اور اسی پر عمل کیا اور سارے صحابہ نے ان کی اتباع کی۔ عرض مالعین زکوٰۃ کی خاطر خواہ سرکوبی کی گئی۔ ساختہ ہی ثبوت کے جھوٹے دعوے دار بھی کیفر کردار کو پہنچا گئے۔

خلیفہ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے لیے احکام جاری کئے ہیں جن کی نظریہ عہد ابو بکر صہبی ملتی ہے نہ خود عہد رسالت میں۔ ان سارے احکام کی فہرست بہت طویل ہے، جن کی گنجائش یہاں نہیں، اور جن کا انکار حقالق کے انکار کے مراد فر ہے جو حضرت عثمان خلیفہ سوم

رضنی اللہ عنہ کے عہد میں بھی کچھ فقہی احکام رونما ہوئے، جن کی نظریہ ماقبل کے عہد اسلام میں مفقود ہے اسی طرح حضرت علی رضنی اللہ عنہ، نیز حضرت معاویہ، حضرت حسن رضنی اللہ عنہما سے بھی اپنے اجتہاد کے مطابق، جنگ و اختلاف کرنا، اور وہ بھی مسلمانوں اور صحابہ کے آپس کی جنگ میں حصہ لینا، حکم کے فیصلہ پر اتنا آنا، اور صلح و تعاون اختیار کرنا، جیسے واقعات رونما ہوئے اور دوسرے اعمال مزد ہوئے۔ نظام عدل قائم رکھنے کو شرعی احکام و مسائل اپنی جزئیات و تفاصیل کے ساتھ، نیز عبادات، معاملات، عقوبات و حدود اور دوسرے مختلف احکام معرض وجود میں آئے۔ اور یہ قوانین عہد بنوی، عہد خلفاء راشدین اور اسی طرح عہد خلفاء بنی امیہ و عہد خلداع بنی عباس میں امت کے اتخاذ و یک جہتی قائم رکھنے کو اور آئندہ رسولوں کی خاطر قلمبند کئے گئے، علماء، صوفیاء و محدثین قرون اولی میں بلکہ بعد کے قرون میں بھی کچھ جدا جدرا افراد نہ تھے، تا ان میں عیزیت تھی، بلکہ اکثر وہ بنیت علماء ہی فقہاء بھی تھے، صوفیاء بھی اور محدثین بھی۔ اکثر تابعین و تبع تابعین محمد شین و فقہاء صوفیاء کرام بھی تھے اور اولیاء غظام بھی۔ کوئی صوفی یا محدث اپنی ذات کو شرعی احکام یا فقہی فیصلے بلکہ فقہی تعامل سے آزاد ہئیں سمجھتا تھا خلوص روایاری، نیز تفہق و جذبہ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ حضرت امام مالک کو امام بنیاتے ہیں اور حضرت امام مالک امام اعظم کی تعظیم و تحریر میں کوتا ہی نہیں کرتے اور لمذہ اختیار کرتے ہیں۔ حضرت امام شافعی امام اعظم کی لحد پاک پر حاضری دیتے ہیں تو احترام کی نیت سے مسجد میں حنفی طریقے سے نماز ادا کرتے ہیں، اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل کو بھی پیشہ و امداد کے احترام کا خاصا اہتمام تھا۔ پھر اس عہد کے علماء دین اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے علاقے کے مجتہدین و امام تھے اور الیے امور میں جن کا واضح ذکر قرآن پاک یا احادیث کے مجموعوں میں نہیں ملتا اپنے عقلی رحمات کے مطابق قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، مگر مروز زمانہ کے سامنے علم و تفہق کے ماتحت چار مذاہب کے اصول و فروع کو فروع حاصل ہوا، بغایہ دیکھ رکذاہب آہستہ آہستہ ناپید ہو گئے۔ یہ سارے احکام و علم فرقہ کے مضامین قرار پائے آیت پاک لینتفہقہ واقع الدین کے ماتحت وجود میں آئے اور اس آیت پاک سے یہ علمی نام فرقہ مانحوڑ ہوا۔

اہل سنت والجماعت کے مقابلہ اہل تشیع نے بھی شرعی احکام کو قرآن پاک اور اقوال و افعال رسول[ؐ] سے اختیار کیا اور بہ علم فرقہ شیعوں میں بھی فروع پایا کہ اس سے عوام کو مفرغ نہیں۔ ہاں جن کو عمل سے دُور کا

بھی واسطہ نہ ہو اپنی فقہی احکام قرآن کے مقاصد کے خلاف نظر آئیں گے کیونکہ ان کی آزادی اسی انکار پر مختصر ہے۔

بنابریں وہ سارے قوانین جو یہ جدت پسند مصلحین اپنی عقلی رہنمائی میں مدون کریں گے ان کا کیا حکم ہو گا ہے کیا یہ قوانین بھی فقہ کی فہرست میں نہ داخل ہوں گے ؟ قوانین کی تدوین کے بغیر قرآن و سنت کے احکام کا اطلاق مختلف حالات میں مختلف اشخاص پر کیوں کریا جائے گا ؟ فقہی تفصیلات تو در حقیقت قوانین و احکام کے ضایعے ہیں جن کا لفاذ قاضی یا حاکم بوقت ضرورت کرتا ہے ان قوانین کے بنیت حصے صحابہ کرام کے زمانے تک پائے جاتے ہیں جس طرح صحابہ کرام کے فیضے اور صادر و فنافذ کئے ہوئے احکام ہمارے لئے مشعل راہ ہیں اسی طرح ائمہ مجتہدین، تابعین، تبع تابعین، علماء و فقہاء نیز بعد کے اہل علم و اہل فقہ کے اجتہادات جو قرآن و سنت کے خلاف نہیں سب کے سب متفق ہیں، جن پر سارے لوگوں کا عمل رہا ہے، اور جن کے خلاف کسی نے چوں و حچا نہیں کیا۔ یہ احکام اپنے اپنے زمانے کے احوال و تفاصیل کے مطابق قرآن و احادیث کی روشنی میں نیز اسلف صالحین کے فیضلوں کے مطابق استنباط کئے گئے ہیں اور آج بھی مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے زمانے کے اخافض کے مطابق احکام قرآنی و سنت، نیز اسلاف کے فیضلوں کی روشنی میں اپنے اقتصادی، معماشرتی، نیز تدبی مسائل کا حل سوچیں اور قوم کو تباہی سے بچا کر شاہراہ ترقی پر گامز نہیں بنائیں۔

ذرا ہب تو در حقیقت شاہراہ ہیں جو مقصد اسلام تک پہنچاتے ہیں۔ شاہراہ مختلف بن سکتے ہیں اور لوگ شاہراہ چھوڑ کر گپٹ نڈیوں، تاہموار راستوں سے بھی گزر کر منزل مقصود زمک پہنچ سکتے ہیں مگر نظاہر ہے کہ جو راحت و طبائیت سیدھی ہموار شاہراہوں پر چلنے میں انسان محسوس کرتا ہے وہ اطمینان دیکون ناہموار راستوں، نمی نمی پگڑنڈیوں پر چل کر نہیں پاسکتا۔

جو مصلحین نئی راہیں اختیار کرنا چاہتے ہیں اور نئے راستوں پر قیادت کرنے لگتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ شاہراہوں سے بالکلیہ الگ رہ کر منزل تک پہنچیں۔ ہر چہر کر دشواریوں اور موائع سے بچنے کے لئے عام بنے ہوئے راستوں پر ان کو والپ آنایا پڑتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو یہا اوقات منزل سے دور نکل جاتے اور سرگردان و حیران رہ جاتے ہیں۔

ایک دوسری مثال مزید وضاحت کے لئے یہ بیان کی جاسکتی ہے کہ آباؤ اجداد سے ہم بعض انسانی عادات

کے مطابق عمل کرتے آئے ہیں۔ آج اگر ہم چاہیں کہ ان عادات کو ترک کر دیں اور نئی عادتیں اختیار کریں تو ایسا ممکن نہ ہے۔ مگر اس میں دشواریوں اور احیاناً مصیبتوں کا سامنا کرنا لابدی ہے۔ مثلاً ابتلاء کفرینش سے ہم کھانے پینے آئے ہیں، پیروں سے چلتے آئے ہیں۔ باہتوں سے چیزوں کو بچڑتے ہیں۔ اب اگر اس اجتہادی دور میں ہم چاہیں کہ کھانے پینے کی بجائے الجکشن سے بدن میں غذا پہنچائیں، پیروں سے بچڑنے لگیں اور باہتوں کے بل چلنا چاہیں، یا سرکوزین پر رکھ کر اور پیروں کو کھڑا کر کے چلنے لگ جائیں تو ایسا کرنا ممکن تو نہیں، ابتدۂ منزل تک پہنچنے اور مقصود کو پانے میں دیر ضرور لگے گی۔ اس لئے ان طرقوں کو کوئی عقل قبول نہیں کر سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے طریق کار، ان کے نیضے، تابعین، مجتہدین اور علماء محمد شین نیز فتحہ کے قدمے، احکام اور فضیلے جن کو صدیوں سے لوگ قبول کرتے آئے، اور جن کے مطابق عمل پیرا ہے۔ یہ درستیقت اسلامی شاہراہیں ہیں جن پر گامزن ہو کر ہم کم سے کم مرد میں کم سے کم تکلیف الٹھاتے ہوئے، جلد سے جلد اطمینان و سکون کے ساتھ یقینی طور پر بے خوف و خطر اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں، اور اس طرح ہم سنت زادوں کی پیروی میں پورے اتر سکتے ہیں۔ ان شاہراہوں کو چھوڑ کر ایک حصہ کا پہکا، مخلص و ایمان دار، سنت برداں کی پیروی کی کوشش تور کر سکتا ہے، مگر ایسا کرنے میں طرح طرح کے خطرات، مشکلات و موانع حائل ہوں گے۔ جن سے دوچار ہونے پر یہ بھی ممکن ہے کہ راستہ گم کر دے۔ یہی ممکن ہے کہ جائزہ ہو سکے اور ہلاکت کا شکار ہو جائے۔ شاہراہوں کی موجودگی میں دوسری شاہراہیں بیانًا اسی قدر سرمایہ و محنت چاہتا ہے جو موجودہ شاہراہوں پر صرف ہو چکے ہیں۔ انسانی عقل کا عام تھا ضاہی ہے کہ وہ اپنے سرمایہ و محنت کو توصم اور ملک و ملت کے درمیے معینہ کاموں میں صرف کرے۔ تمہارہ سرکشی نیز آمرۃ اور جابران جذبات سے اپنے کو بیانے کر ان جذبات سے سولٹے زیر باری، فضول خرچی، بے جا انسانیت مال اور محنت کی بر بادی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس نقصان پر مزید خساراں یہ ہوتا ہے کہ انسان راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ منزل سے دور جا پڑتا ہے۔ سامنہ ہی یہ خدشہ بھی دامن گیر رہتا ہے کہ ان گمراہوں کے راستے پر بھی ان کے بعد چلتے والے پیڑا ہو جاتے ہیں اور ان کے یہ نئے پُر خطر راستے بھی کسی قدر بعد کی نسلوں کے لئے شاہراہ جیسے یہ جاتے ہیں اور اس طرح ہمیشہ کے لئے گمراہی کے راستے ہمارا ہو جاتے ہیں، جن کو اختیار کر کے لوگ یاں و حرمان کے سوا کچھ خاص نہیں کر سکتے۔ تاریخ اسلام میں ایک لئے آج تک نام نہاد مصلحین کے کارناموں پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو ہمارے اس دعویٰ کی شہادتیں مل جائیں گی۔ بنو یا شم اور حضرت علیؓ کی طرف داری کرنے والوں نے

اپنی راہ ہموار کی، بھر اس پر چلتے والوں نے آج تک متعدد شاہراہیں بنالیں اور خود آپس میں ایک دوسرے کو گراہ کہنے لگے اور اسلام سے دُور سے دُور تر ہوتے چلے گئے۔ اول اول ان میں خارجی رونما ہوئے، جنہوں نے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں نیز مخالفین کو جواہل اسلام تھے سب کو بالتفصیل تحریکم کے مانند پر کافر تباہی اور واجب القتل سمجھا۔ ان کا فتنہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ خود حضرت علیؓ کو ان کے خلاف تواریخ اٹھانی پڑی۔ اسی طرح ابو مسلم خراسانی کے پیروکار، مقتعم کندی کو مانند ولی، سبانی، قرامط، باطنیہ، وغیرہ سینکڑوں فرقے اسی اصلاح و درستگی نیز اعلاء کلمۃ الحق کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اور حق و حقائیت سے دُور سے دُور تر ہوتے چلے گئے۔ ان میں صرف اثنا عشری اور زیدی اور ان کے مثل کچھ ہی فرقے الیہ ہیں جو اصول اسلام میں عام اہل سنت والجماعت سے کچھ زیادہ مختلف ہیں، اور وہی اسلام سے قریب سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت والجماعت اور محدثین میں بھی کچھ لوگ اصلاح و اجتہاد کی خاطر رونما ہوئے اور پھر خود ان کے مقلدین اور پیروکار آج تک یڑھتے چلے گئے۔ داؤ دین خلعت نے ظاہری احکام پر عمل کرنے کو اپنا عقیدہ بنایا تاکہ مجتہدین کی آراء کے مطابق حمل پیرا ہونے کی زحمت سے بچیں اور خود مجتہدین بیٹھے۔ ان کے متبوعین میں علماء ابن حزم ظاہری نے بھی قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کیا اور قیاس و اجماع کی تردید میں بہت سی کتابیں لکھ دیں جن میں قیاس و شخصی آراء کے سوا مشکل سے دوسری تئی باتیں پائی جاتی ہیں۔ انہیں لوگوں کا پیر علامہ ابن تیمیہ اور آخری دور میں شیخ محمد بن عبد الوہاب، شیخ سنوسی اور بعض دوسرے مصلحین پر پڑا۔ اور پھر سب پیشے لپیٹ لفیق کے سرگروہ بن کئے۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ انہوں نے قرآن پاک و احادیث کے مطابق عمل کرنا اپنا شیوه بنایا تھا، اس لئے یہ فقہاء اہل سنت والجماعت سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتے۔ البتہ خود انہیں بدعتوں کے قائد بن کئے جن کی قیادت کا الزام فقہاء پر رکھتے تھے۔

یسیوی صدی کے نام نہاد مصلحین جو درحقیقت مغربی سحر کاری سے مسحور ہو کر اسلام کی بیخ کنی میں شب و روز لگے ہوئے ہیں۔ اصلاح و اجتہاد کے نام سے صوفیاء کرام کو درمیان میں لے آتے ہیں، تاکہ ان کے عقیدت مذکور عوام کو اپنا ہم خیال اور گروہیہ بنایں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ صوفیاء کرام میں رواداری تھی، ترمی تھی، انسانی ہمدردی تھی، کردار کے پختہ تھے، لپیٹ بر تاؤ اور حسن معاملہ سے جہاں کئے غیر مذاہب کے پیروکاروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور ان سے منتشر ہو کر لوگ دائرة اسلام میں جو حق درج حق

داخل ہونے لگے۔ یہ حضرات اسیات کو بھول جاتے ہیں کہ مسلمان صوفیاء کرام درحقیقت احکامِ اسلام کے علمبردار تھے جو خود فقہاء و علماء تھے۔ آج کل کے بعض نام مہار پیشی و منتصوفین کی طرح اگلے صوفیاء علم اور احکامِ اسلام سے بے مہرہ نہ ہوتے تھے۔ درحقیقت وہی اسلام کے پھیلانے والے تھے، اور وہ اسلام کے فقیہ اور احکامِ اسلام سکھانے والے تھے۔ وہ غیر فقیہ یا جاہل کیونکہ ہو سکتے تھے ہے وہ تو احکامِ اسلام کے زندہ نمونے تھے جن کا باطن اور ظاہر ایک تھا۔ وہ صحابہؓ کرام سے مشاہد رکھتے تھے۔ ان میں دینی غیریت و حیثیت تھی، تقویٰ و خلوص تھا، اس لئے نموت سے ڈرتے تھے نعیم اللہ سے ڈرتے تھے۔ وہ ہمیشہ خدا سے ترسان و لرزان رہتے۔ قرآن پاک و سنت نبوی کو دلوں سے چٹائے رہتے تھے اور اپنے کردار کو قرآنی احکام اور نبوی سنن کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی جوبات ہوتی تھی، اللہ و رسول کے فرمان کے مطابق ہوتی تھی ان کا جو کام ہوتا تھا وہ احکام خداوندی کی تابعیت میں ہوتا تھا۔ صرف حرام و مکروہ ہی سے وہ پر ہزیر نہیں کرتے تھے، بلکہ جس چیز کے متعلق علم نہ ہوتا اور جس کو مباح کا رتبہ حاصل ہوتا اس سے احتراز کرنا بھی اپنے لئے ضروری نہیں کرتے تھے۔ بہار کے مشہور بزرگ حضرت محمد و مشریف الدین احمد بھی میزیری نے تربوز صرف اس لئے نہیں کھایا کہ ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس طرح کھایا تھا۔ عرض صوفیاء کرام کو حلال و حرام کا بڑا خیال رہتا تھا، اور ذرہ برابر شریعت سے ادھر ادھر نہ ہوتے تھے۔ وہ تو شریعت (ظاہری عمل) کو طریقیت (باطنی عقیدہ و ذہنی عمل) کا آئینہ سمجھتے تھے، اور دلوں میں تطبیق دینے کو اپنا ایمان۔ حضرات صحابہؓ کرام، احیاء تابعین، ائمہ مجتہدین، حسن صبری، فضیل بن عبیان، رابعہ لمصریہ، سفیان ثوری، جنید، شبیلی، معروف کرنی، ابن عربی، شیخ عبدالقدار جیلانی، خواجہ سہیاء الدین نقشبند، شہاب الدین سہروردی، خواجہ معین الدین پشتی، محمد الدافتثانی، شاہ ولی اللہ وغیرہ سب کے سب صحابہؓ کرام کے نقش قدم پر حلپنے والے، احکام شرع کے پابند اور اپنے اپنے وقت کے فقیہ و مجتہد تھے۔ انہوں نے کبھی کسی امام مجتہد کی تنقیص نہیں کی، اور شاہل سنت و جماعت کے طریقے سے سرموں اخراج کو روا رکھا۔ البتہ ان میں بعض اہل حذب الیسے ضرور ہوئے ہیں جن کو دنیاوی تکلیف اور شرعی احکام کا پاس نہ رہا، اور خود اہل ہوش صوفیاء و فقہاء کے فرمان کے مطابق شرعی حدود کے مستحق قرار پائے اور دار پر کھینچ گئے۔ جیسے یہ ملا "انا الحق" کہنے والے حسین بن مصوص حلاج، نیز بدست سرد کے واقعات ہیں۔ یہ شواذ کے تحت آتے ہیں اور ان کو نمونہ نہیں بنایا جاسکتا۔ عرض صوفیاء کرام فقہاء سے

جدا شرط اور نہ اسکو نہ کبھی شرعی قوانین یا احکامِ شریعت کی مخالفت کی، بلکہ ان کی تعلیم ہمیشہ احکامِ شریعت کی تعلیم رہی ہے۔

حسن طرح متصوفین میں بعض بد نہاد، پیشی ور، ریا کار، اپنے کو صوفی کہنے لگے ہیں۔ اسی طرح بعض کو ربا وطن، جاہل و خود عرض لوگ بھی اپنے کو علماء میں شہرت دیتے ہیں جن کی وجہ سے نہ سارے صوفیاء کو ہم بد نام کر سکتے ہیں نہ سارے علماء کو گردانِ زدنی قرار دے سکتے ہیں۔

فقر تو درحقیقت قرآن پاک کے احکام، حلال و حرام، فرائض و واجبات نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات کو بیان کرتی ہے۔ اور لوگوں کی سہولت کے لئے عبارات، معاملات و حسنِ معاشرہ کے سارے جزوی مسائل کو بیان کر دیتی ہے۔ تاریخِ اسلام میں فقہاء کا وہی کارنامہ ہے جو رومی مقتنيین کا کام ہے البتہ رومیوں کے بخلاف ہمارے فقہاء کرام نے انفرادی نیز معاشرتی زندگی کے ہر باریک سے باریک نیکتے کا مطالعہ کیا، اور انہیں نکات کو پیش نظر کر کر قرآن و حدیث کے اور امر و نواہی کے مطابق احکام کا استنباط کیا ہے۔ عہدِ بعهد کے فقہاء نے اپنے اپنے زمانے کے معاشرہ اور افراد کا غائر مطالعہ کرتے ہوئے نئے نئے احکامِ تلبید کئے ہیں۔ امام مالک کی مؤٹا، امام محمد کے اصول و زوائد، امام شافعی کی کتابِ الام، امام احمد بن حنبل کی منہج پھر ان کے اپنے اپنے تلامذہ کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ ان سب کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں جن میں کسی کو کسی سے اختلاف نہیں۔ ہر ایک کی کوشش یہی ہے کہ قرآن پر سب سے پہلے عمل کریں، پھر سنت کے مطابق، پھر امت کے تفاصیل کرده احکام کو سامنے رکھیں۔ اور اگر ان سب سے ظاہر کوئی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر عام عقل انسانی اور مصالح امت کے تفاصیل کے مطابق فیصلہ کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کی کوشش یہی رہی ہے کہ عوام اور کم علم یا ملکی انتظامات اور قومی اہم خدمات انجام دینے کی وجہ سے عدیم الفرست ہونے کے باعث قرآن و احادیث کا غائر مطالعہ نہ کر سکنے والے حضرات جلد سے جلد بادنی تو جو احکام اسلام پر عمل پر اہم جائیں، اور ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں کسی حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کر سیئھیں۔ حرام کے مرتکب ہو جائیں، یا مکروہات میں بھیس جائیں اور خدا رسول کی ناراضی کے موردن جائیں۔

درحقیقت ہمارے فقہی کارنامے ابتداء اسلام سے لے کر آج تک کے اپنے اپنے عہد کے ضابطے اور قوانین کے مجموعے ہیں، جن کے مطابق وقت کے سیاسی رہنماؤں نے ملکی نظام کو اسلام کی شاہراہ پر قائم رکھا اور بد نظمی و فساد سے بچتے رہے۔ فقہاء نے ہر زمانے میں اپنا فرمانیہ پورا کیا اور قوانین ملک و قوم کے

باقتوں میں سونپ دیا۔ ان کا لفاذ قاضینوں اور حاکموں کا فریبندہ ہے، علماء و فقہاء کا نہیں۔ شخصی مسائل ہوں یا قومی یا بین الاقوامی، مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم نے ان سے پہلے علمی طریقہ سے قوانین کو اس تفصیل کے ساتھ مدون نہیں کیا۔

چونکہ اس لادینیت کے دور میں آزاد روی ہر فرد کا شفارینگ گئی ہے اور تقليدِ فرگ عادت شائیہ زبان انگریزی اور فرانسیسی کے غلبہ کی بدولت ہمارے رگ و ریشے میں فرنگ اور مغربی ثقافت سرایت کر چکی ہے، اس لئے آج کل کے وہ مصلحین جن کو اسلامی احکام ظاہری و حکومی سے اوت سکلیف یہ جانظر آتے ہیں، وہ قوانین اسلام کو تقویم پاریں سمجھتے ہیں اور ان کو امن و سطی کے رسم و رواج سے زیادہ اہمیت دینا ہمیں چاہتے ہیں۔ چونکہ بہلان احکام کے خلاف کچھ کہنے کی حراثت ان کو نہیں ہوتی اس لئے کبھی تصوفیاء کرام کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں اور کبھی مذہبی بغاوت اور دینی کشمکش کو اصلاحی تحریکوں جیسے نام سے اچھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر حب عوایق اور خواتیم کا دصیان آتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بھی چند اعمال و عقائد کے بندھنوں سے آگئے نہیں ٹھہرے۔ ان نامہ مصلحین کا مقصد درحقیقت لوگوں میں علماء کے خلاف نفرت پیدا کرنا اور برقائق افراد کی رضاجوئی ہے۔ حلال و حرام کے استیاز کو دور کرنا اور اپنی مقصد برداری ویچے جا ہوں رانی کی خاطر ایسی تخفیفات کو عام کرنا ان کا شیرہ ہے جن کی رو سے حرام مباح ہو جائے اور مکروہات عین مستحبات بن جائیں۔ کبھی معاشرتی اقتصادی الفکر پیدا کرنے کے لئے تخفیف عبادات، تفضیل حدود کو ضروری سمجھتے ہیں اور تعییر بیان کی مراعات کی خاطر اجتہاد کے علمبردار بنتے ہیں۔

یہ کہنا کہ آج اجتہاد مفقود ہے، تاریخی حقیقت کا انکار ہے۔ اجتہاد ہر زمانے میں اور ہر اسلامی ملک میں موجود رہا اور برابر کار فرمائے۔ متاخرین فقہاء نے اپنے قاؤلے جمع کئے ہیں اور ان فتاویٰ میں علماء و فقہاء کی شخصی رائیں اور فیصلے موجود ہیں۔ ہندوستان میں ابتداء عہد میں فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ تماز خانیہ اور اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں فتاویٰ ہندیہ مشہور قوانین اسلام کے مجموعے ہیں جن میں بہت سے مسائل میں وقتی تھاٹھے کے مطابق فیصلے صادر کئے گئے ہیں۔ آج تک مدارس میں ہندوستان و پاکستان میں، دارالفنون کے شعبے موجود ہیں۔ عام مسلمانوں کے استفسار پر فیصلے سوال کے مطابق لکھ جاتے ہیں۔ امارت شرعیہ بہار میں مقدرات بھی فیصل کئے جاتے تھے۔ اسی طرح قیام پاکستان تک قلات میں قاضی احکام و قوانین اسلام کے مطابق فیصلے صادر کرتے رہے۔ اٹھارھویں انیسویں صدی

میں ترکی میں خلیفۃ المسلمين کے حکم سے مجلسہ الاحکام کی تسویہ عمل میں آئی اور محلہ کے قوانین ترکی کے قوانین قرار پائے جنگ عظیم اول کے اختتام پر جب ترکی کی سلطنت کی نویت مدل گئی اور خلافت کا نام ترک کر دیا گیا تو صدر جمہوریت ترکی کی ایام پر لیورپی خصوصاً سولیس قوانین کو ملکی انتظام کے لئے اختیار کیا گیا اور اسلامی قوانین سے اخراج کیا گیا۔

یہ خیال کہ اسلامی احکام محض عبوری دور کے لئے تھے اور اب ان میں تبدیلی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ موجودہ مسائل کا حل ممکن ہو، محض لغو ہے۔ ہر قرن میں نئے حالات، نئی قوموں کے عہد میں نئے مسائل پیش آئے اور اسلام بالکل عاجز نہ ہوا، بلکہ چودہ صدیوں کے پیشتر کے قوانین و احکام ہی کارکم ثابت ہوتے۔ مثلاً آج روس میں مفکرین کو احساس ہو گیا ہے کہ عورتوں کے فرائض اور ہیں اور مردوں کے کچھ اور، دلوں کے جداگانہ فرائض کو گلڈٹر کرنا فاطر کے قانون کی خلاف درزی ہے۔

آج سارے عالم میں بیکالت کے پیشے میں الگ دھاندی ہے۔ وکیلوں کا تو کام یہ ہونا چاہیئے تھا کہ انصاف و عدل کا خون تھہونے دیتے۔ کمزور مدعا علیہ تیز و طار مخالفت کے زور بیان و طلاقتِ لسانی سے مرعوب نہ ہو جائیں، اور حق والضافات کا پہلو دب نہ جائے۔ تاصلی اور نجج کے سامنے صحیح طور پر مقدمے کی وضاحت کر دے، تاکہ منصفت (نجج) چکنی چڑی باتوں میں الجھت پڑیں اور ان کے ہاتھ سے الفضافت کا برستہ تھوڑ جائے۔ مگر انگریزوں کے پروردہ محکمہ عدلیہ و محکمہ فوجداری کے یہ پیشی و مردمیدان اپنے مٹکلوں کو الفضافت و عدل کے چنگل سے نجات دلانے کی سعی میں آسمان و زمین کے قلایے ملا دیتے ہیں، اور اسی ایسی قانونی موشکانیوں میں جوں، تھاںیوں اور منصقوں کو منہک کر دیتے ہیں کہ حق و باطل میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اور یہاں اوقات مجرموں کو اور سزا کے مستحقوں کو بچالاتے ہیں اور یہ داع آزاد کر دیتے ہیں یوں تو قانونی نکات کی وضاحت بڑی اچھی بات ہے اور عین حق و صواب ہے، اور قانونی سوچ و درحقیقت فتحیہ ان کا نام ہے جن کی تعریف جتنی کی جائے کم ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ یہ پیشی و روکیل اکثر و بیشتر اپنے حقیقی مجرموں کی یہ جاگہیت کرتے ہیں۔ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ سزا کا مستوجب ہے، صرف فیس کی خاطر اور اپنے پیشے کو فروع دینے کے لئے خونی مجرموں کو یہی قانونی حفاظت میں لے لیتے ہیں، جرام پیشیہ سلاح دشمن، محرب اخلاق شخصیتوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ بنیجے میں ملک میں بد اخلاقی، جرام، اعزا، پروردہ فروشنی، قتل و غارت، چوری، دلکشی، عصمت دری وغیرہ ہر طرح کے مجرم دن دھاڑے جرم

کرتے ہیں اور نامور و کلیوں کی وکالت کی بد دلت حکومت اور عدل والاصاف کے چنگل سے صاف نکل جاتے ہیں۔ آج ملک میں اسی لئے زور و ظلم، تشدد و سختی، قتل و غارت اور ہر طرح کی بد عنوانیاں روز افزون ترقی پر ہیں، علم و تہذیب کی زیادتی کا دعویٰ ضرور صحیح ہے، مگر آج تک کالا دینی علم بیشتر سے بیشتر انسانی تحریب، مردم آزاری، خود غرضی و خوشنی پروری کے کام آتا ہے۔ الیسی وکالت کے پیشے کو اسلامی قضا اور دینی انصاف و تقویٰ کسی طرح جائز قرار نہیں دیتے۔

کورٹ کی دستواریاں الگ ہیں، یہ محکمہ تو انصاف کرنے، حق دلانے اور مظلوم کی دادرسی کے لئے ہے، مگر اس بیسویں صدی میں جو شفاقت و تہذیب، سائنس و مدن کا عصر کہلاتا ہے، کس قدر شرم کی بات ہے کہ تجوہ کورٹ ہر یا ہمیں کورٹ، کہیں مقدمہ کی شناوی نہیں ہو سکتی جب تک کہ ایک مقرر فیض اور خاص اضافہ لگے ہوئے کاغذ پر مقدمہ کی شکایت نہ کی جائے۔ ازمنہ وسطی میں تو شاہوں کے دربار غزیبوں اور بیکوں کے لئے کھلے ہوتے تھے، اور بادشاہ مظلوم کی فریاد سنتے ہی انصاف کرتا تھا، اور باوجود بہت سی بد عنوانیوں کے سختی کے ساتھ ظلم و تقدی کا قلعہ مجع کرتا اور ملک میں امن و امان قائم کرتا تھا۔ آج باوجود اتنی سہولتوں اور ہر طرح کے مواد کی موجودگی کے انصاف کا دروازہ کھلا ڈالے ہے۔ دل گردے کا کام ہے۔ لگانے اور وقت یے وقت دوڑنا اور حیران و پریشان پھرنا آجیکل کی عدالت کے خصائص میں سے ہے۔ کیا الیسی عدالت گاہیں بیسویں صدی کی علمی شفاقت و تہذیب کے مانع پر کلگ کاٹیکہ نہیں؟ اکثر و بیشتر مسلم ممالک میں ملکی امن و امان قائم کرنے کے لئے محکمہ پولیس قائم ہے۔ ملکی نظم و نسق کی طرح یہ محکمہ بھی غیر اسلامی اخلاق و روایات کا حال ہے، اور اکثر و بیشتر غیر انسانی و بہیانہ کار پر داری کا آر کار۔ ہمارے یہاں کے سماجی مفاسد اور معاشرتی بے راہ روی اور دوسرا قسم کی بد عنوانیوں کی موجودگی ٹپکی حد تک تہذیب نوکی برکات کے ساتھ ساتھ اس محکمے کے بعض روایاتی مفاسد کی رہیں منت ہے۔ ارباب حل و عقد کی بے راہ روی کا صدقہ پولیس کی بعض یہ جانیا دنیا ہیں جن کے آگے عوام کی کسپری ہر خطہ زمین اور تقریباً ہر موجودہ ترقی یافتہ تہذیب نوکی علمبردار حکومت کے قلمرو میں کم و بیش موجود ہے۔ کم ترقی یافتہ ریاستوں کا کیا پوچھنا؟ ان نام نہاد ملکوں میں لوگ جمہوریت کے نام پر جمہور کا گلاں گھوٹ رہے ہیں، انسانیت کے نام سے طاقت راپنی طاقت بڑھا رہے ہیں اور کمزوروں کو ان کی فطرت کے رحم و کرم پر چھوڑ رہے ہیں۔ بیکوں کی سہولتوں اور تجارت کے موقع اور منافع کو چند ہاتھوں میں محبوب کرنے کے طرح طرح کے ستملڈوں سے کام لیا جا رہا ہے۔

جب ملک میں سالانہ نظام غیر اسلامی ہوتا تجارت کے اسلامی طریقہ کیونکر فروغ پا سکتے ہیں؟ اور ہبیع و شراء میں حلال و حرام کی تحریک کیونکر باتی رہ سکتی ہے؟ سٹی بیزی، چور بازاری، بھاری فیس اور روشنست سنانی کا بازار گرم ہو تو اتحاد، اتفاق، تعاون، اخوت، دیانت و قومی، ہمدردی و ایثار کیونکر ہمارے معاشرے کے اوصاف بن سکتے ہیں؟ علمی درسگاہیں، تحقیقاتی ادارے اور تہذیب و تفاوت کے مرکز، عرض کو نسا ادارہ ہے؟ جو روشنوت و تضانیت اور دوسرا بی دعزا میں کی آمادگاہ بننے سے چھوٹا ہو لے ہے؟ پھر احکام و قوانین اسلامی کی حرمت و پاسداری کی کیا ایسید کی جاسکتی ہے؟

آج جیکہ ممالکِ اسلام میں مسلمانوں کو سیاسی قوت دوبارہ حاصل ہو رہی ہے، اور انڈو ٹیشیا سے لے کر اقصائے مغرب و مراکش تک نیز جنوبی افریقیہ، مرکزی افریقیہ میں مسلمانوں کا غلبہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ یہ الائیا کر مسلمان ذلیل و خوار ہیں اور تنزل میں پڑے ہوئے ہیں بالکل خلاف حقیقت ہے۔ بیسویں صدی کے لفظت شانی میں عالمی سیاست میں بے شک و شبہ بڑا تغیر و نہماں ہوا ہے۔ انڈو ٹیشیا، ملایا، پاکستان، افغانستان، ایران، ترکی، عراق، عرب، کویت، بیجن، شام، مصر، شرق اردن، سودان، بیلیا، یونیس، الجزاير، مراکش، تزانیہ وغیرہ ممالک میں مسلمانوں کو سیاسی برتری ہی نہیں بلکہ ان کی حکومت قائم ہے۔ نیز مہبہت سے دوسرے ممالک میں ان کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ ایسے دوسرے میں ہمارا فرض ہے کہ مغربی علوم و سائنس میں اپنے تجزیات جاری رکھیں اور زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کر کے احکام الہیہ سے دنیا کو روشناس کریں تاکہ اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو کر سارے عالم کے لوگوں کو امن و امان کے ساتھ زندگی لیں کرنے کا موقع میسٹر ہو اور سامراجی و اشتہر اکی کشمکش کا خاتمه ہو۔

جیفت صدحیف! اگر ممالکِ اسلامیہ کے اہل حل و عقد مغربیت و اشتہر اکیت کے اس طرح شکار ہو کر رکھے ہیں کہ ان کی اسلامی حیثیت اور دینی تلقینی مفلوج ہو کر رکھی ہیں۔ اپنی تہذیب و تفاوت سے بیگانہ ہو کر آج اپنے اپنے حیرافیائی تقدیم تفاوتوں کے احیاء میں منہک ہیں اور وقتی عیش و طرب، ذاتی اعراض و مقاصد نیز ظاہری و مادی منافع کو احص مقصود حیات سمجھ کر ضلالت و گمراہی کے ایسے طوفان میں پھنسنے ہیں جس سے دینی و دنیاوی خسروں کا تبیقن زیادہ سے زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ اے کاش اروئے زمین کے مسلمان خلوص والیان کے ساتھ اسلام کے پروکار بننے، قرآن پاک کو اپنالا کھجور عمل بناتے! تو علوم حاضرہ کو اپنا کر پھر دنیا کی قیادت کا سہرالپنی سروں پر باندھنے۔ اب بھی وہ وقت دُور نہیں کہ ایک بار پھر باد مخالف کے جھونکے انہیں ہشیار کر دیں اور ایمان کی لاذوال دولت سے مالا مال ہو جائیں اور تباخ دوام کے مستحق بن جائیں۔

○
کہ ہم نے انقلاب چڑھ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں۔